نیت کی فضیلت اور اس کی حقیقت

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: " إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرئ مانوى فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله، ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أوامرأة يتزوجها فهجرته إلى ما هاجر إليه". (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں دو چیزوں کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک اعمال کا، دوسرے "نیت" کا، پہلے میں نیت کے متعلق عرض کروں گا اور اس کے بعد ان شاء اللہ اعمال کے متعلق بیان کروں گا۔

اخلاص نیت کی برکت:...... قرآن مجید اور احادیث میں جا بجا ترغیبات موجود ہیں کہ اعمال کی قبولیت کا دارو مدار نیت پر ہے اور نیت کے فضائل اور اس کا ثواب قرآن وحدیث میں اکثر جگہ موجود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک جگہ خدا تعالیٰ نے فقرائے مسلمین کے بارے میں آیت نازل فرمائی جس کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ کے سردار اور رؤساء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ہم آپ کی بات اس شرط پر سننے کو تیار ہیں کہ جس وقت ہم لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہوا کریں تو آپ ان غریب اور کم درجہ کے لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں، کیونکہ ہمیں ان کے ہمراہ بیٹھنے میں سخت عار آتی ہے اور ہماری شان کے خلاف ہے کہ ہم اتنے بڑے بڑے لوگ ایسے کم درجہ کے لوگوں کے ساتھ بیٹھیں۔ جب ان لوگوں نے آپ سے یہ درخواست کی تو آپ اس سلسلے میں متردد تھے، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿لا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه﴾ آپ (اپنے پاس سے) ان لوگوں کو الگ نہ کریں جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں جس سے ان کی غرض یہ ہے کہ وہ خالص خدا تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔

یعنی ان کی عبادت اور اللہ کو پکارنا محض اخلاص اور نیک نیتی سے ہے اور کوئی غرض ان کی اس میں شامل نہیں۔ یہی مطلب ہے لفظ "يريدون وجهه" کا، تو خدا تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ان سرداروں اور رؤسا

کی خاطر نہ اٹھائیں، خواہ یہ سردار آپ کے پاس آئیں یا نہ آئیں۔

اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اخلاص اور نیک نیتی کی خدا تعالیٰ کے ہاں کتنی قدر ہے اور اس کا کتنا مرتبہ ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ نعوذ باللہ نبی کو امیروں سے ان کی امارت کی بنا پر محبت اور انس ہو اور غریبوں سے ان کے افلاس اور فقر کی وجہ سے نفرت ہو بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اس امر میں متردد تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ حرص تھی کہ اگر میں چند منٹ کے لئے ان سردارانِ مکہ کی اس بات کو مان لوں اور تھوڑی دیر کے لئے دعوت اسلام کے خاطر ان سے تخلیہ میں گفتگو کرلوں تو ممکن ہے کہ یہ اسلام لے آئیں اور اس طرح ان کو ہدایت ہوجائے، پھر یہ امراء، امراء نہیں رہیں گے، بلکہ دل سے ویسے ہی درویش صفت ہوجائیں گے، جیسے کہ یہ فقراء مسلمین ہیں، تو گویا آپ کا خیال مبارک یہ تھا کہ یہ چند روز کی بات ہے، پھر جب خدا تعالیٰ ان کو اسلام لانے کی توفیق دے دے گا تو پھر یہ معاملہ ہی نہیں رہے گا۔

غرض آنجناب کو جو اس جانب میلان خاطر تھا وہ اس بنا پر تھا کہ آپ ان امراء کو فقراء صفت بنانا چاہتے تھے اور فقراء مسلمین چونکہ سرتاپا جاں نثار اور غلام تھے، اس لئے ان کو بھی گرانی کے ہونے کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔ یہ مصالح تبلیغ و دعوت تھیں جن کی بنا پر آپ کا خیال مبارک اس بارے میں متردد تھا، مگر چونکہ خدا تعالیٰ کی شان بے نیاز ہے اور اس کی بارگاہ میں کسی کی پروا نہیں، اس لئے فرمایا کہ خواہ یہ امراء اسلام لائیں یا نہ لائیں آپ پروا نہ کریں، لیکن ان مسلمانوں کو جو اخلاص اور نیک نیتی سے صبح و شام خدا کو پکارتے ہیں، اپنے دربار سے نہ ہٹائیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو یہ اتنا بڑا اعزاز و اکرام ان فقراء مسلمین کا فرمایا اور ان کو ان سرداروں کے مقابلہ میں اتنا بڑا مرتبہ عطا فرمایا، اس کی علت کیا ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟ سو اس کی جو علت خود حق تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں، وہ یہ ہے کہ "یریدون وجهه" یعنی یہ مرتبہ ان کو اس لئے عطا کیا جارہا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو اس کی رضا اور خوشنودی کی تلاش ہے، کوئی دنیوی غرض یا اپنی ذاتی خواہش نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جو اپنی نیتوں کو خدا کی رضا جوئی کے لئے خالص کرلیا تھا اس اخلاص اور نیک نیتی کی یہ برکت ہے کہ ان کو اس مرتبہ عظمیٰ پر فائز کیا گیا اور فقط اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ حکم دیا ﴿واذا جاءك الذين يومنون بآياتنا فقل سلٰم عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة انه من عمل منكم﴾ اس میں بھی یہی ذکر ہے کہ جب یہ فقراء آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کو سلام کیجئے اور ہمارا یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں پر رحمت نازل کرنے کو اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے۔ تو یہ اعزاز بھی اسی نیک نیتی اور اخلاص کی بنا پر ہورہا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ لوگ آئیں تو نبی ان کو سلام کریں اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں حاضر ہوں تو وہ ان پر رحمت فرمائیں اور تیسرا اعزاز یہ کہ امراء آئیں یا نہ آئیں، کوئی پروا نہیں، مگر ان لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس سے ان رؤساء کی خاطر اٹھانا گوارا نہیں۔

اچھی نیت عمل خیر سے بہتر کیوں؟:...... اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ "نیة المومن خیر من عملہ" مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے، اس حدیث کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے جو درحقیقت اختلاف نہیں بلکہ اس حدیث کی مختلف تفسیریں اور تعبیریں ہیں۔ دراصل بظاہر اس حدیث میں یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ عمل کرنے سے نیت کا درجہ کیسے بڑھ سکتا ہے، کیونکہ نیت تو عمل سے پہلے ہوتی ہے، پھر اس میں مشقت بھی کچھ نہیں اور عمل میں مشقت ہے۔ اس لئے بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ انسان کئی قسم کے ہیں، ایک وہ کہ انسان نیک نیتی کرے اور عمل نہ کرے اور دوسرا وہ جو عمل تو کرتا ہے مگر نیت ٹھیک نہیں ہے، مثلاً عمل میں ریاء کا شائبہ ہے یا کسی دنیوی غرض کو حاصل کرنے کے لئے نیک کام کر رہا ہے، تو چونکہ اس دوسرے شخص کی نیت ٹھیک نہیں، اس لئے اس کے عمل کا بھی کوئی ثواب نہیں، بلکہ ریاء وغیرہ کا گناہ ہوگا، بخلاف اس شخص کے کہ جس نے صرف نیت کی تھی، اس کو نیت کا ثواب تو مل گیا گو وہ عمل نہ کر سکا اور پہلے شخص کو نہ نیت کا ثواب ملا اور نہ عمل کا تو اس صورت میں نیت عمل سے بڑھ گئی، کیونکہ بہر حال وہ نیت ثواب کا باعث ہوئی اور یہ عمل کچھ بھی نہ ہوا۔

بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ عمل تو ہوتا ہے محدود اور نیت انسان غیر محدود کی بھی کر سکتا ہے، تو اس صورت میں نیت عمل سے بڑھی ہوئی ہے، مثلاً حدیث میں ہے کہ ایک تو ایسا شخص ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے مال بھی عطا فرمایا ہے اور علم بھی، اب وہ اس مال کو اپنے علم کے مطابق صحیح جگہوں میں خرچ کرتا ہے، یعنی جہاں خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ کرتا ہے اور جہاں خرچ کرنے کی ممانعت ہے، وہاں خرچ کرنے سے رک جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ شخص ایسا ہے کہ اس کو اجر اور ثواب بہت ملے گا، کیونکہ جہاں جہاں اس کو خرچ کرنے کی ضرورت ہوگی، دل کھول کر خدا کی راہ میں خرچ کرے گا اور ایک دوسرا شخص ہے کہ اس کے پاس نہ مال ہے اور نہ علم ہے، وہ اس کو دیکھ دیکھ کر حسرت کھاتا اور رشک کرتا ہے کہ کاش! خدا تعالیٰ مجھے بھی اسی طرح مال دیتا اور میں اس کو خدا کی راہ میں اس شخص کی طرح خرچ کرتا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "هما في الأجر سواء" یعنی یہ دونوں اجر اور ثواب میں برابر ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس دوسرے کے پاس مال و دولت نہیں ہے، مگر اس کی نیت تو ہے کہ اگر ہوتا تو میں خرچ کرتا، تو چونکہ یہاں اس کی نیت شامل ہوگئی، اس لئے اس کو اجر و ثواب میں اس کے برابر کر دیا گیا۔

تیسرا وہ شخص ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو مال دیا مگر اس نے علم حاصل نہیں کیا، اس لئے اپنے مال کو اندھا دھند اور عیش پرستیوں اور فضول خرچیوں میں خرچ کر رہا ہے اور کسی مفلس آدمی نے اس کو دیکھ کر کہ یہ شخص تو خوب مزے اڑا رہا ہے اور عیش کر رہا ہے، اس لئے اس نے بھی یہ حسرت کی کہ اگر مجھے مال ملے تو میں بھی یوں ہی عیش اڑاؤں اور دنیا کے مزے لوٹوں، تو فرمایا کہ یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں، تو یہ برابری محض نیت کی وجہ سے ہوئی، اس لئے انسان کو چاہئے کہ اگر کسی کو

نیک کاموں میں خرچ کرتے دیکھے تو کہے کہ اگر مجھے بھی مال میسر ہوتا تو میں بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتا اور کسی کو دیکھو کہ وہ اپنے مال کو بے جا خرچ کر کے گناہ میں مبتلا ہے تو یہ کہو کہ خداوند تیرا احسان ہے اور شکر ہے کہ تو نے مجھے دیا ہی نہیں کہ میں اس خرافات میں خرچ کرتا۔

بعض اولیاء کرام کے کلام میں دیکھا کہ دو چیزیں عجیب وغریب ہیں: ایک توبہ اور دوسری نیت، یہ دونوں عجیب و غریب اس لئے ہیں کہ نیت کا کام ہے کہ معدوم چیز کو موجود بنا دینا، مثلاً ہم نے کوئی عمل نہیں کیا مگر نیت کر لی تو ثواب ملے گا تو بغیر عمل کے ثواب ملنے کا یہی حاصل ہوا کہ عمل موجود نہیں مگر نیت نے اس کو موجود کر دیا اور دوسری چیز توبہ ہے جو موجود کو معدوم کر دیتی ہے کیونکہ انسان خواہ ستر (۷۰) برس تک گناہ کرتا رہے بلکہ شرک وکفر میں بھی مبتلا رہے، جب بارگاہ الٰہی پر ایک سجدہ کیا اور معافی مانگی سب یک قلم معاف اور گناہوں کا ایک بے شمار ذخیرہ جو موجود تھا اس کو ایک مخلصانہ توبہ نے معدوم کر ڈالا، یہ دونوں نعمتیں خدا تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا کی ہیں، عجیب نعمتیں ہیں ''فللّٰه الحمد حمداً كثيرا''.

جو حدیث ابتداء میں میں نے ذکر کی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت ہے، یعنی اعمال بمنزلہ جسم کے ہیں اور نیت بمنزلہ روح کے ہے۔ جس درجہ کی نیت ہوگی اسی درجہ کا عمل ہوگا، اگر اچھی نیت ہے تو عمل بھی اچھا ہوگا اور فاسد نیت ہے تو عمل بھی فاسد ہوگا۔ اس سے بھی ''نية المومن خير من عمله'' کا نیا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ جب نیت بمنزلہ روح کے ہے اور عمل بمنزلہ جسم کے ہے تو ظاہر ہے کہ روح کا درجہ جسم سے بڑھا ہوا ہے۔

آج کل کے فلسفیوں کو اور مادہ پرستوں کو اس جگہ یہ اشکال پیش آتا ہے کہ یہ باتیں محض مولویوں کے ڈھکوسلے ہیں اور محض سنی سنائی باتیں ہیں اور اس کے لئے کوئی عقلی دلیل نہیں، کیونکہ عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے منکر ہے کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہو، لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے، اس کے لئے عقلی دلیل بلکہ مشاہدہ موجود ہے، دیکھئے، آپ باپ ہونے کی حیثیت سے اپنے بچے کے طمانچہ ماردیں تو اس سے اس بچے کے دل میں جو آپ کی محبت ہے، اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا، لیکن اگر آپ کسی محلے کے بچے کے طمانچہ ماردیں تو اس بچے کو بھی ناگوار ہوگا اور اس کے والدین اور سرپرستوں کو بھی ناگوار گزرے گا، سوچنا چاہئے کہ آخر یہ فرق کیوں ہوا؟ وہی نیت کا فرق ہے کہ اپنے بچے کو مارنے میں اس کی اصلاح اور تربیت مدنظر ہے اور محلے کے بچے کو مارنے میں یہ چیز نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص سے نادانستہ کسی کا نقصان ہو جائے کہ اس کی نیت اور ارادہ اس نقصان کرنے کا نہیں تھا، مگر لاعلمی اور غیر اختیاری طور پر وہ نقصان ہو گیا تو اگر یہ دوسرا شخص عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور عدالت میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کام اس نے قصداً نہیں کیا بلکہ نادانستہ ہو گیا ہے تو عدالت اس کو سزا نہ دے گی اور اگر دے گی تو اس درجہ کی سزا نہ دے گی جیسی کہ قصداً کرنے میں دی جاتی، تو جب دنیا کے احکام نیت سے بدل جاتے تو آخرت کے احکام بطریق اولیٰ بدل

جائیں گے، حدیث ''نیة المومن خیر من عملہ'' کی ایک توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ نیت ایک ایسا فعل ہے کہ اس میں ریاء کا احتمال نہیں، اس لئے یہ عمل سے بہتر ہے، کیونکہ عمل میں ریاء کا احتمال ہے اور ایک توجیہ اس کی امام غزالیؒ نے لکھی ہے، وہ یہ کہ عمل کا تعلق تو اعضاء ظاہری سے ہے اور نیت کا تعلق باطن سے ہے، تو اس کی مثال ایسی ہے کہ اطباء جو مریضوں کو دوا دیتے ہیں ان میں بعض تو اوپر لیپ کرنے کی ہوتی ہیں اور بعض دوائیں پلانے کی ہوتی ہیں، تو ظاہر ہے جو دوا جسم کے اندر پہنچ کر اپنا اثر کرے گی، وہ زیادہ موثر ہوگی بہ نسبت اس دوا کے جو اوپر سے لیپ کے طور پر لگادی جائے، اس طرح نیت اور عمل کا حال ہے۔

نیت کی لغوی و شرعی تعریفیں:......اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ لفظ ''نیت'' کے معنی کیا ہیں؟......نیت کے معنی لغت میں قصد کرنے اور ارادہ کرنے کے ہیں، مگر حقیقت اس کی قصد اور ارادہ کے سوا کچھ اور ہے۔ یوں سمجھئے کہ نیت کی حقیقت یہ ہے کہ نیت ایک قلبی صفت اور کیفیت کا نام ہے جو علم اور عمل کے درمیان میں ہے۔ اس کو مثال سے سمجھئے کہ مثلاً پہلے تو انسان کو علم حاصل ہوتا ہے کہ فلاں کام میں نفع ہے یا نقصان ہے، جیسے تجارت میں نفع ہونے کا کسی کو علم ہوا کہ اگر تجارت کی جائے تو نفع ہوتا ہے یا کھیتی کرنے سے غلہ پیدا ہوگا۔ یہ تو سب سے پہلا درجہ ہے جو علم کا درجہ کہلاتا ہے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان عمل تروتیج کردے جیسے تجارت کا مال خرید کر دکان میں لگا کر بیٹھ جائے یا کھیتی کرنے کیلئے ہل وغیرہ چلانا شروع کردے، یہ عمل کا درجہ ہے اور ان دونوں کے درمیان جو چیز ہے وہ نیت ہے جس سے عمل اور کام کرنے کی ایک آمادگی پیدا ہوئی بس یہی نیت کا درجہ ہے۔

امام غزالیؒ نے اس کی تعریف اور حقیقت کو دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں: ''انبعاث القلب إلی مایراہ موافقا بغرضہ من جلب منفعة أو دفع مضرة حالا أو مآلا'' یعنی کسی کام کے لئے دل کا کھڑا ہو جانا اور آمادہ ہو جانا کہ جس کو دل اپنی غرض کے موافق پاتا ہو خواہ وہ غرض جلب منفعت ہو یا دفع مضرت ہو، عام ہے، اس لئے کہ وہ غرض فی الحال ہو یا فی المآل ہو۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ اعمال کا دارومدار دل کے کھڑے ہو جانے پر ہے۔ اگر دل خدا کے لئے کھڑا ہو گیا تو وہی حکم ہوگا اور اگر دنیا کے لئے کھڑا ہوگا تو وہی حکم ہوگا۔ غرض اعمال کی روح نیت ہے، اگر نیت اچھی ہے تو عمل بھی مقبول ہے ورنہ مردود، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال کی تین قسمیں ہیں: قسم اول تو وہ اعمال ہیں جو طاعت کہلاتے ہیں، مثلاً نماز، روزہ، صدقہ، خیرات وغیرہ اور دوسری قسم وہ کہ جو مباحات کہلاتے ہیں، یعنی جن کے نہ تو کرنے سے کوئی گناہ ہے اور نہ ان کو ترک کرنے سے کوئی گناہ، جیسے کپڑا پہننا، کھانا کھانا، خوشبو لگانا وغیرہ اور تیسری قسم اعمال کی معاصی ہیں یعنی وہ اعمال جن کے کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے اور ان کے کرنے میں گناہ ہے۔

کن اعمال کا مدار نیت پر ہے؟:......اب اس حدیث میں جن اعمال کا ذکر ہے اس سے اعمال طاعت اور اعمال مباح مراد ہیں۔ معاصی یعنی اعمال معصیت اس سے مراد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر طاعات اور مباحات میں نیت اچھی

ہوئی تو نیت کے مطابق ان کی فضیلت بڑھ جائے گی مگر گناہوں میں نیت خواہ کتنی بھی اچھی ہو وہ گناہ، گناہ ہی رہے گا، مثلاً کوئی شخص چوری اس نیت سے کرے کہ میں اس سے غریبوں کو کھانا کھلاؤں گا یا کوئی رشوت اس نیت سے لے کہ میں مسجد بنواؤں گا تو یہ چوری اور رشوت گناہ ہی رہیں گے اور اس پر کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا، اس لئے معصیت میں حسن نیت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ عمل معصیت کی بنا پر وہ اچھی نیت بھی فاسد ہو جائے گی۔ طاعت میں نیت خالص اللہ کے لئے کرنی چاہئے اور اس میں کوئی پابندی نہیں، ایک عمل میں جتنی نیتیں کرلو گے اتنا ہی ثواب ملتا چلا جائے گا، مثلاً مسجد میں حاضر ہونا عبادت ہے، اگر کوئی شخص اس کے ساتھ یہ نیت بھی کر لے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہو رہا ہوں تو اس کو دو ثواب ملیں گے اور اگر کسی نے اس کے ساتھ یہ نیت بھی کر لی کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، میں اس میں جا رہا ہوں اور جو کوئی کسی کے گھر جاتا ہے وہ اس کی زیارت کرنے کو جاتا ہے اس لئے میں اللہ کی زیارت کرنے کے لئے جا رہا ہوں، تو ایک اجر اور مل جائے گا اور اگر کسی نے اس کے ساتھ یہ نیت بھی کر لی کہ کسی کے گھر جانے سے انسان اس کا مہمان ہوتا ہے تو میں خدا کا مہمان بننے کے لئے اور اس کی مہمانی کے مزے لوٹنے کو مسجد میں جا رہا ہوں تو ایک اجر اور بڑھ گیا اور اگر کسی نے یہ نیت بھی کر لی کہ مسجد میں نیک لوگ اور فرشتے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے برکت بھی حاصل ہوگی، تو اس صورت میں ایک اجر اور بڑھ جائے گا اور اگر کسی نے یہ بھی نیت کر لی کہ میں تو روسیاہ اور گنہگار ہوں اور وہاں پر اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندے بھی ہوں گے اس لئے میری روسیاہی اور گنہگاری ان کی برکت سے دھل جائے گی تو اس نیت کا ثواب بھی بڑھ جائے گا اور اگر یہ نیت بھی ساتھ ملا لے کہ جتنی دیر مسجد میں بیٹھوں گا، گناہوں سے محفوظ رہوں گا تو ایک اور اجر بڑھ جائے گا۔ نیز فقہاء نے لکھا کہ اعتکاف نفل چند گھنٹوں بلکہ چند منٹ کا بھی ہو سکتا ہے تو اگر مسجد میں آتے وقت اعتکاف کی بھی نیت کر لی تو اعتکاف کا ثواب بھی ملا۔

غرض اپنی عقل سے سوچ کر جتنی چیزوں کی نیت کرتے جاؤ گے اتنا ہی اجر بڑھتا جائے گا۔ آخرت کی تجارت میں انسان کو اپنی عقل خرچ کرنی چاہئے۔ غرض خدا تعالیٰ کا خزانہ کھلا ہوا ہے وہاں ایک ہی نیت نہ کرو بلکہ ایک ایک کام کی نیت کرو تاکہ اجر بڑھتا چلا جائے، وہاں کوئی کمی نہیں اور نہ ہی دینے میں ان کو کوئی مشقت ہوتی ہے، جیسے صدقہ و خیرات کرنا ثواب کا کام ہے مگر فقہاء نے لکھا ہے کہ صدقہ کے مستحق سب سے زیادہ اپنے قریبی عزیز ہیں، تو اگر کوئی صدقہ کرتے وقت اپنے عزیزوں کو دے اور نیت کرے کہ چونکہ یہ ضرورت مند ہیں، اس لئے ان کو اپنی حاجت رفع کرنے کے لئے دے رہا ہوں، تو دگنا ثواب ملے گا۔

صدقہ دینے میں حضرت عمرؓ کا اصول:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اعزہ کو صدقہ دینے کے بارے میں یک اصول اور ضابطہ بنا رکھا تھا، وہ یہ کہ جو بعض رشتہ دار تو انسان سے کسی وجہ سے ناخوش رہتے ہیں اور بعض خوش اور راضی رہتے ہیں تو آپ ان رشتہ داروں کو دینا زیادہ پسند کرتے تھے جو ناخوش رہتے ہیں اور قرآن مجید میں عباد مخلصین کے

متعلق ارشاد ہے کہ ان کا مسلک یہ ہے ﴿لا نرید منکم جزاء ولا شکورا﴾ ہم (صدقہ دے کر) تم سے بدلہ اور شکر گزاری کے طلب گار نہیں ہیں، تو چونکہ شکریہ کا طلب کرنا بھی ایک طرح کا بدلہ چاہنا ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ روٹھے ہوئے رشتہ داروں سے شکر گزاری کی توقع نہیں ہوتی، اس لئے میں ان کو دینا پسند کرتا ہوں، یا مثلاً کوئی شخص بے نمازی ہے اس کو اس نیت سے صدقہ دیا کہ جب میں اس کو دوں گا تو یہ مجھ سے مانوس ہو جائے گا اور پھر اس کو نماز کے لئے ترغیب دے دوں گا تو اس کا اجر بھی بڑھ جائے گا، اسی طرح دکان کھولنا، خوشبو لگانا، مکان بنانا وغیرہ، یہ سب کام مباح ہیں، نہ ان کے کرنے میں کچھ گناہ ہے، نہ ثواب، لیکن اگر مثلاً دکان اس نیت سے کھولی کہ اس کے ذریعے سے روپیہ کماؤں گا اور غرباء اور مساکین کی مدد کروں گا اور مسلمانوں کو ضروریات مہیا کروں گا تا کہ ان کو سہولت ہو اور کافروں سے خریدنے کی مسلمانوں کو ضرورت نہ رہے اور اس کی وجہ سے مجھے دنیا والوں سے استغنا ہو جائے گا اور روپیہ خدا کی راہ میں اور جہاد میں خرچ کروں گا، تو اب دکان تجارت گاہ نہیں بلکہ عبادت گاہ بن گئی۔

تو دیکھئے کہ نیت کی برکت سے تجارت بھی عبادت بن گئی۔ اب اس کا ہر لمحہ گویا عبادت میں گزر رہا ہے، پھر اگر خدا کسی کو تجارت میں نفع دے اور خدانخواستہ اس کے دل میں تکبر اور علو پیدا ہو جائے تو یہ وبال ہے، مثلاً آپ اپنی دکان پر بیٹھے ہیں، سامنے میز بچھی ہے، بجلی کا پنکھا چل رہا ہے، سامنے ٹیلی فون رکھا ہے اور سامنے سڑک پر کوئی گداگر فقیر خستہ حال گزرا تو اس کو دیکھ کر اپنی حالت پر ناز نہیں کرنا چاہئے بلکہ خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس کا لاکھ لاکھ احسان اور کرم ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھے اتنا دے رکھا ہے وہ اگر چاہتا تو اس کا برعکس بھی کر سکتا تھا، ایسے وقت میں بجائے تکبر اور فخر کے شکر کرنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ میرا فرض ہے کہ ایسے ناداروں کی خبر گیری کروں اور مجھ پر جو خدا کی نعمتیں مبذول ہیں ان کا شکر کروں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:...... حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے بعد جہنمی جہنم میں اور جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جس کی کوئی مدت متعین نہیں، حالانکہ جن لوگوں کو جہنم میں بھیجا جائے گا ان کے اعمال کفر محدود ہیں اور جن کو جنت میں بھیجا جائے گا ان کے اعمال صالح بھی محدود ہیں تو اس محدود کی جزا لامحدود کیوں مقرر کی گئی؟ حضرت حسن بصریؒ نے اس اشکال کا بھی جواب دیا ہے کہ چونکہ عمل کرنے والے کی نیت دوام کی تھی، اس لئے جزاء بھی دائمی مقرر ہوئی، کافر کی نیت یہ تھی کہ اگر ایک کروڑ سال کی عمر ملے تو کفر ہی پر قائم رہوں گا، اسی طرح مومن کی بھی یہی نیت ہے کہ کتنی ہی عمر دراز کیوں نہ ہو، ایمان پر قائم رہوں گا، نیت چونکہ دوام کی ہے اس لئے جزاء بھی دائمی ہے، آج کل زمانہ ایسا ہے کہ لوگ دین اور عمل کے نام سے گھبرانے لگے ہیں، کہتے ہیں کہ نیت خالص کیسے ہو سکتی ہے، سو انسان کو گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ عمل شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ اپنی نیت درست کرے پھر بار بار نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔

شیخ الہندؒ کا ارشاد: ...... حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کو چاہئے کہ عمل شروع

کرنے سے قبل اپنی نیت درست کرلے، بعد میں اگر نیت میں کچھ خلل آئے تو پروانہ کرے، شیطان اگر وسوسہ ڈالے تو التفات نہ کرے، جواب جاہلان باش خموشی۔ایک بزرگ تھے انہوں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ حضرت عجب کشمکش میں مبتلا ہوں، نفلیں پڑھنے کو دل چاہتا ہے مگر جب پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو ریا ہوتی ہے اور اگر ریا کی وجہ سے نہ پڑھوں تو نفلوں سے محروم رہتا ہوں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ شیخ نے کہا کہ نفلیں تو ریا سے پڑھ لیا کرو اور بعد میں ریا سے توبہ کرلیا کرو، سواس حکایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو جو نیک کام کرنا ہو کر گزرے اور اگر بعد میں محسوس ہو کہ اس میں ریا ونمود کا شائبہ ہے،تو اس سے استغفار کرلے۔

شیطان سے بچنے کا راستہ:......نیت کی ایک عجیب فضیلت قرآن مجید سے سمجھ میں آئی، وہ یہ کہ قرآن مجید میں ہے کہ جب شیطان مردود ہوا اور وہاں سے نکالا گیا تو اس نے کہا: ﴿فبعزتك لاغوینهم اجمعین الا عبادك منهم المخلصین﴾ قسم ہے تیری عزت وجلال کی میں یقیناً ضرور ان کو (یعنی اولاد آدم کو) گمراہ کروں گا مگر جوان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ شیطان سے بچنے کا راستہ سوائے حسن نیت اور اخلاص کے اور کوئی نہیں ہے اور اس میں کوئی مشقت نہیں کہ نیت کو کام کرنے کے وقت خالص کرلیا جائے اور اگر اس کے بعد بھی کسی کے دل کو تسلی نہ ہو اور دل اس سے راضی نہ ہو تو سمجھ لے کہ یہ شیطان کا وسوسہ ہے جو اس طرح مجھے نیک کام کرنے سے روک رہا ہے، ایسے وقت میں اس سے کہہ دے کہ مجھے تیری کچھ پروانہیں تو کتنا ہی مجھے بہکا اور میرے پیچھے پڑ، میں یہ کام کر کے چھوڑوں گا اور اگر پھر بھی دل میں کچھ خلش رہ جائے تو خدا سے دعا کرے کہ اے اللہ میں کمزور ہوں، میری دستگیری فرما۔

ایک بزرگ کا واقعہ یاد آیا کہ ان کو حکومت وقت نے جیل میں بند کردیا تو جیل میں ان کا معمول تھا کہ جب جمعہ کا دن آتا تو غسل کرتے، کپڑے بدلتے اور جب اذان کی آواز آتی تو جیل خانے کے دروازے تک تشریف لے جاتے، پھر لوٹ آتے، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله﴾ جب جمعہ کے دن اذان ہوجائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو۔سو میں اس حکم کی تعمیل کرنے کے لئے تیاری کرتا ہوں اور جہاں تک جاسکتا ہوں چلا جاتا ہوں، تو اس طرح ان بزرگ کو جمعہ کی نماز پڑھنے کا ثواب مل جاتا تھا، لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ شیطانی وساوس کی پروانہ کریں اور کہہ دیں کہ میں تو اللہ کے لئے اس کام کو ضرور کروں گا، تو بلا سے راضی ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہماری نیتوں کو درست فرمائے اور حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یا رب العالمین و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

☆......☆......☆